Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 38, Sr.No.107, 2017 pp 17 - 30

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیۂ علوم شرقیہ
جلد ۳۸، اپریل۔جون ۲۰۱۷ء، شمارہ ۱۰۷

کلام اقبال میں اعلیٰ اقدار کا نظام......ایک تحقیقی مطالعہ

صائمہ یامین☆

Abstract:

Iqbal is rated among those great poets of the twentiteth century who happened to be the writers, intelectuals, philosophers political leaders gifted with a sublime brain clad in mysticism. Iqbal's intellectual streams originate from Quran, Hadith, Sunnah, Islamic History as well as philosiphical views. The system of values renders a co- ordinated form to human life. It may well be referred to as a "Moral system" since the significance of morality in human life is very much established. That's why, values also enjoy a primary importance in human-life. In aery intellecutal system, morality comprises of different codes and the same constitute the values of a system. Islam always leads to the destination of righteousness in the conflict between the good and the evil. This is one of the basic Islamic values. Iqbal's poetry also introduces a similar world of righteousness. The present study explores similar values in the work of Iqbal.

علامہ محمد اقبال ایک ہمہ جہت تخلیق کار ہیں ان کے فکری مآخذ کی تلاش ایک مشکل ترین کام ہے۔ خصوصاً جب کہ ان کی فکری تخلیقی بھی ہے اور ارباطی بھی۔ تخلیقی ان معنوں میں کہ انھوں نے اپنے عہد کو اپنے علامہ اقبال نے فلسفہ خودی اور نظریہ حیات سے ایک نئی سمت دی اور ارتباطی اس مفہوم میں کہ انھوں نے اپنی فکر میں مشرق اور مغرب کے افکار کے نتائج فکر کو اپنے تخلیقی نظریے کے حوالے سے ایک نقاد کی نظر سے دیکھا اور دقیق نظریات میں تخلیق کا تڑکا لگا کر ایک ایسے جہاں کی تخلیق کرنے کی کوشش کی جہاں ہر اعتبار سے انسانیت کے لیے اعلیٰ ترین ماحول پیدا ہو سکتا ہے۔ اقبال ایک فکر (Vision) کے شاعر ہیں اور اعلیٰ اقدار کے داعی ہیں کیونکہ اعلیٰ اقدار ہی انسانیت کے پنپنے کا ماحول پیدا کرتی ہیں۔

☆ ایم۔فل سکالر اردو، جی۔سی۔یونیورسٹی لاہور لیہ کیمپس۔ (ایمیز نزد وڑائچ گارڈن لیہ)

اقدار ''قدر'' کی جمع ہے اور قدر سے مراد کوئی ایسا اصول ،نظریہ یا کوئی بھی چیز ہے جس کا تعلق عقیدے یا روحانی نظامِ فکر کے ساتھ ہو۔اعمال کی بنیاد افکار پر ہوا کرتی ہے ۔(۱) نیت اور فکر انسانی سوچ کے مترادفات ہیں ۔حیات انسانی میں فکر کی جولانی ہی سے عمل کو تابانی ملتی ہے ۔ظواہر کے اس جہان میں باطنی کیفیات کے اثرات ایک مثبت اور نا قابل تردید امکان کی طرح موجود رہتے ہیں۔اقدار عملی زندگی میں منور ہو کر اس وقت نکھرتی ہیں جب فکر و عمل کے مابین رابطہ سر بلند اعتبار کا پیش خیمہ بنتا ہے۔اس معتبر اعتبار سے مربوط ہو کر زندگی تابندگی بنتی ہے اور حیات اپنے جوہر کا اثبات کراتی ہے۔چنانچہ جب ہم کسی بھی چیز سے متعلق اپنے جذبات یا احساسات کا اظہار کرتے ہیں اور اس سے اپنے احساس و عمل کو وابستہ کرتے ہیں تو یہ وابستگی ''قدر'' کہلاتی ہے۔اقدار کو ہم اپنی زندگی کے بنیادی عوامل میں شامل کرتے ہیں کیونکہ زندگی کے ہر موڑ پر ہمیں کوئی نہ کوئی عمل کرنا ہوتا ہے اور ہر عمل کے پیچھے کوئی قدر موجود ہوتی ہے۔اس لیے قدر نام ہی ایسی چیز کا ہے جس کے ساتھ ہمارا تعلق احساس ،جذبے یا دلچسپی کا ہو۔

انسا ئیکلو پیڈیا بریٹینکا کے مطابق ''قدر کسی چیز کی خوبی ہے جس میں کسی بھی قسم کی دلچسپی یا تحسین شامل ہوتی ہے۔اس تحسین میں احساسات شامل ہوتے ہیں اور آخر کار ان احساسات کے تحت خواہشات اور رجحانات پیدا ہوتے ہیں۔لہٰذا قدر ایک احساس ہے''۔(۲)

قدر یا قدر کا احساس ایک ہی چیز ہے۔''اخلاق اور فلسفہ اخلاق'' میں مولانا محمد حفیظ الرحمٰن لکھتے ہیں۔

''اقدار کا نظام انسانی زندگی کو ایک مربوط شکل دیتا ہے۔اسے اخلاقی نظام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ارسطو نے کہا ہے کہ جس علم میں انسانی کردار پر اس حیثیت سے بحث کی جائے کہ وہ ثواب یا خیر ہے یا خطا و شر،اور اس طرح بحث کی جائے کہ یہ تمام ثواب و خطا اور خیر و شر کے مرکب نظام اقدار کی شکل میں آجائیں تو اس علم کو الاخلاق کہتے ہیں''۔(۳)

اقدار کی اس تعریف کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ نظام اقدار دراصل نظام اخلاق ہی کا دوسرا نام ہے۔حیات انسانی میں اخلاقیات کی اہمیت مسلمہ ہے۔اس لیے اقدار کو بھی انسانی زندگی میں اساسی مقام حاصل ہے۔ہر نظام فکر میں اخلاق مختلف اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے۔یہی اخلاقیات اس فکری نظام کی اقدار ہوتی ہیں۔مثلاً اسلامی نظام میں تصور خیر و شر بنیادی قدر ہیں۔حق و باطل کی آمیزش میں اسلام ہمیشہ سچائی کی منزل کی طرف راہنمائی کرتا رہا ہے اور یہ بنیادی اسلامی اقدار میں سے ایک ہے۔''دانائے راز'' نے اسی جانب اشارہ کیا ہے:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرار بو لہبی

علامہ اقبالؒ کے نظام فکر میں استوار ہونے والی اقدار بنیادی طور پر اسلامی افکار سے مستعار ہیں اور یوں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کا یہ قول صداقت کے ابدنشاں میں منعکس ہو کر چمک اٹھتا ہے:

''اقبال قرآن کا شاعر اور شاعر کا قرآن ہے۔''(۴)

اسلامی معاشرے کی تشکیل قرآن عظیم کی مرہون منت ہے۔اس عظیم ترین الہامی کتاب ہدایت کی روشنی میں اسلامی اقدار اور فکر اقبال میں مطابقت کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ فکر اقبال کلام الٰہی میں اوج کمال تک پہنچتی ہے:

قلب مومن را کتابش قوت است •
حکمتش حبل الورید ملت است

قرآن حکیم کے حوالے سے اسلامی اقدار کی نمایاں نشاندہی یوں کی جاسکتی ہے۔''ہم نے آسمانوں اور زمین کو ان کی روحانی چیزوں کو بغیر مصلحت کے پیدا نہیں کیا۔''(۵)

اقبالؒ کا شعر ہے:

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کار خانے میں

''ہم نے انسان کو بہت ہی خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔''(۶)

اقبالؒ نے ملت اسلامیہ کے کے ہر فرد کو اس کا مقام یوں یاد دلایا:

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زباں تو ہے
یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

ایک اور جگہ کہا:

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور آپس میں تفرقہ نہ ڈالو۔''

اقبالؒ کا بیشتر کلام اتحاد عالم اسلام کا عالمگیر پیغام ہے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر
بتاں رنگ وخون کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی!

''ہر شخص کے لیے ایک قبلہ رہا ہے۔''(۷)
مفکر ملت نے ملت بھر کا قبلہ درست کرتے ہوئے کہا:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

''حمد وشکر اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔''(۸)
اور اقبالؒ نے اپنے وجدان توحید کو جامہ لفظ پہنایا:

فرد از توحید لاہوتی شود
ملت از توحید جبروتی شود
ہر دو از توحید می گیرد کمال
زندگی ایں را جلال آں را جمال

اس اجمال کی تفصیل پورا کلام اقبالؒ ہے۔

اس ایک مختصر سی جھلک کی پیش کش کا مقصد ومدعا اقبال کے فکر فلسفہ پر قرآن مجید کے متبرک عکس کا اظہار ہے اور یہی وجہ ہے کہ اقبال کا نظام اقدار بھی قرآنی افکار کے انوار سے زندگی پاتا ہے۔اس بنیادی نقطے کے بعد اب آیئے علامہ کے نظام اقدار پر نظر ڈالیں۔

علامہ اقبالؒ قدر کو انسانی زندگی کے حوالے سے جانتے اور پہچانتے ہیں اور اس کی بنیاد میں بھی یہی حقیقت ہے کہ قرآن جیسی عظیم اور بے مثل کتاب کا موضوع بھی انسان اور انسانی زیست ہی ہے۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ کے اقداری نظام کی اساس بھی اسی صداقت پر استوار ہے۔انسان کی تمام جدوجہد کا مقصد خوبصورت اور خوشحال زندگی گزارنے کی خواہش کی تکمیل ہے۔سو تمام انسانوں کے فن کو ایک بنیادی مقصد کو پورا کرنے کا فریضہ ادا کرنا چاہیے، فن زندگی کے تابع ہونا چاہیے، زندگی سے کٹا ہوا نہیں ہونا چاہیے اور اسی حوالے سے کسی بھی چیز کی قدر کو زندگی کے ساتھ اس کے ربط کے معیار پر جانچنا چاہیے۔

علامہ کے نزدیک تمام انسانی قدریں خدا کی وحدانیت کے راستے کو ہی اختیار کرتی ہیں جو مذہب

کی بنیاد ہیں۔ چونکہ اقبال کا فلسفہ بنیادی طور پر مذہب سے منسلک ہے اس لیے انھوں نے بجا طور پر مذہبی سچائی کو ہی دنیا کی سب سے بڑی قدر قرار دیا ہے۔ اقبالؒ کا نظریہ یہ ہے کہ مذہب مکمل اقداری نظام عطا کرتا ہے۔ اسلام ہر ازم، ہر نظام سے بہتر نظام ہے پھر یہ امر بھی مبنی بر حقیقت اور نا قابل تردید ہے کہ باقی قدریں انسانوں کی بنائی ہوئی ہیں جو غلطیوں سے مبرا نہیں مگر اللہ کا یہ نظام ماوراعن الخطا ہے اور عملی زندگی میں اس کی کامیابیوں کے تجربے بار بار کیے جا چکے ہیں۔ اسلام کی اقداری نظام کا منبع اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اقبالؒ مذہب کے متعلق وسیع الظرف نظریہ رکھتے ہیں۔ اقبالؒ اتباع رسول اکرمﷺ میں دین کی بے کراں وسعتوں اور بے پایاں شفقتوں کے علم بردار تھے۔ علاقائی، نسلی، لسانی، گروہی تمام تعصبات سے ماورا ہو کر صرف دین حق کی وابستگیوں سے متعلق ہو کر زیست کرنا ان کا شعار رہا۔ ان کے نزدیک مذہب ایک ایسی طاقت ہے جو آزادی بخشتی ہے، قید نہیں کرتی، وقار عطا کرتی ہے، بے اعتبار نہیں بناتی:

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں !!!

علامہ کے فلسفہ اقدار میں اللہ کی وحدانیت پر ایمان تمام مذہبی اقدار کی سردار قدر ہے۔

نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

اقبال اخلاقی قدروں کا منبع بجا طور پر اسلام کو قرار دیتے ہیں۔ نیکی، سچائی، خیر، محبت ایسی لازوال اخلاقی اقدار اس عظیم دین ہی کی عطا ہیں۔ اقبالؒ کہتے ہیں کہ اسلام دنیا کے ہر گوشے اور شعبے کو حقیقت پسندانہ نظریہ حیات عطا کرتا ہے۔ اخلاق سے کردار کی تعمیر ہوتی ہے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان قرآن کی صورت میں ہماری رہنمائی کے لیے موجود ہے:

آں کتاب زندہ قرآن حکیم
حکمت او لا یزال است و قدیم
نوع انسان را پیام آخریں
حامل او رحمت للعالمین
گر تو مے خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اسلام میں ملت کا تصور تمام ہم عقیدہ مسلمانوں کے اتحاد کا مظہر ہے۔ یہ اتحاد ایک معاشرے کی تشکیل کرتا ہے ایک مسلم معاشرے کی۔ اسلام کے نزدیک پوری دنیا کے مسلمان ایک عالمی اسلامی

معاشرے کے رکن ہیں۔ اس لحاظ سے اسلامی شہریت ہمارے لیے معاشرتی ورثوں کی مخزن ہے:

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

''اسرار خودی'' اور ''رموز بے خودی'' میں علامہ فرد کے معاشرے کے ساتھ تعلقات اور معاشرتی اقدار کے حوالے سے اس کے کردار کا تعین کرتے ہیں۔ اس کی معطر بازگشت ان کے اردو کلام میں بھی ملتی ہے:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

انھوں نے ایسے نظریات و خیالات سے اپنی شاعری کو آراستہ کیا جو اسلامی معاشرے کی تشکیل کرنے والی اقدار ہیں مثلاً اخوت، مساوات، عدل وانصاف، شجاعت وصداقت، امانت و دیانت:

سبق پڑھ پھر صداقت کا ، عدالت کا ، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا !

اقبال کا مثالی معاشرے کا نظریہ بے حد وسیع مفاہیم کا حامل رہا ہے۔ سیاست اس کا جزو لاینفک ہے اور اسی لیے علامہ ملت کے سیاسی منظر نامہ کو زبان، رنگ، نسل، علاقہ اور اسی قبیل کے تمام تعصبات سے پاک کر کے ایک ملت کے خوش رنگ نظارے سے آراستہ کر دینا چاہتے ہیں:

ے بیان رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی!

ے منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی ، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی ، اللہ بھی ، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں!

علامہ کی پیش کردہ سیاسی اقدار کا سرچشمہ دین ہے۔سیاست میں دیانت اور استقامت اور اقتدار کو اللہ کی طرف سے ایک امانت سمجھنا ان کے اقداری نظام سیاست کے اہم عوامل ہیں۔ان عناصر حسنہ کو سیاسی نظام میں کامرانی کی کلید کہا گیا ہے۔شرط اسلام سے وابستگی کی ہے فقط:

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفویؐ ہے

حکیم الامت کی سیاسی اقدار مذہبی اقدار سے منسلک ہیں اور انھیں دینی قدروں سے جدا نہیں کیا جاسکتا:

نظام پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

علامہ اقبالؒ کے نزدیک سرمایہ یا صنعتی اور معاشی برتری کوئی قدر نہیں رکھتیں کیونکہ معاشی برتری کو معاشرتی بنا لینے کا اصول اسلام کی رو سے ناجائز ہے۔اقبالؒ انسان کی معاشرتی اہمیت اس کی معاشی حیثیت کے حوالے سے نہیں بلکہ اس کے اخلاق اور معاشرتی کردار کے لحاظ سے متعین کرتے ہیں۔وہ ''کسب حلال'' پر زور دیتے ہیں۔اسی کو ''عزیز جہاں'' ہونے کی بشارت کا افتتاحیہ گردانتے ہیں۔علامہ بلند کردار انسان کو محض اس لیے ذلیل یا کمتر نہیں سمجھتے کہ وہ غریب ہے۔غربت یا امارت انسان کو پرکھنے کی کسوٹی ہرگز نہیں۔وہ اس معاشرے کو مثالی قرار دیتے ہیں جس میں محنت کی عظمت مسلمہ ہو اور پیداوار زیادہ سے زیادہ ہو۔انفرادی سعی سے اجتماعی ترقی کے لیے جدوجہد کی جائے۔سرمائے کی جائز اور معقول تقسیم معاشرے میں پھوٹ ڈالنے کی بجائے اتحاد و اتفاق کی خوشگوار فضا قائم کرتی ہے جو انفرادی اور اجتماعی کامرانیوں کی ضمانت بنتی ہے۔معاشی سطح پر اقبالؒ کے نظام اقدار کی کلید اسلام کے عالمگیر اصولوں کی عطا کردہ نوید سے متشکل ہوتی ہے۔محنت کی عظمت اور پیداوار پر محنت کار کا حق فائق ثابت کرتی ہوئی معاشی قدر اقبالؒ کے ہاں نمایاں انداز میں ظہور کرتی ہے:

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو

سرمایہ دارانہ نظام کی پیدا کردہ خرابیوں پر طنز کرتے ہوئے علامہ نے سچے اور کامران معاشرے

کی بنیاد سرمایہ داری کی بجائے محنت اور جدو جہد سے رزق کمانے کی اہم قدر پر رکھی ہے:

تدبیر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے

کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

مزدور اور محنت کش لوگوں کی فلاح کا یہ فلسفہ اقبالؒ نے قرآن حکیم سے اخذ کیا ہے:

چیست قرآن خواجہ ار پیغام مرگ
دستگیر بندہ بے ساز و برگ

ہمدرد اور درمند معاشرت کو ترتیب دینے والا احساس ہی دراصل اقبالؒ کے اقداری نظام کی اساس مرتب کرتا ہے۔ اپنی پہلی کتاب ''علم الاقتصاد'' میں علامہ لکھتے ہیں:

''کیا یہ ممکن نہیں کہ ہر فرد مفلسی کے دکھ سے آزاد ہو؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ گلی کوچوں میں چپکے چپکے کراہنے والوں کی دلخراش صدائیں ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جائیں اور ایک درد مند دل کو ہلا دینے والے افلاس کا دردناک نظارہ ہمیشہ کے لیے صفحہ عالم سے حرف غلط کی طرح مٹ جائے۔''(۹)

افلاس کا خاتمہ جہد مسلسل اور عادلانہ معاشی نظام کے ذریعے کرنے کا نظریہ اقبال کی معاشی اقدار میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ خضر کی زبانی کہتے ہیں:

بندہ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے؟ یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دار حیلہ گر
شاخ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
فکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

علامہ کی تعلیمی اقدار میں زندگی اور تعلیم کا باہمی ربط بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ تعلیم اور زندگی کے مقاصد میں کسی قسم کی تفریق یا امتیاز روا نہیں سمجھتے تھے۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ

''اقبال کے نزدیک تعلیم کی غایت وہی ہے جو زندگی کی غایت ہے۔''(۱۰)

علامہ کا یہ شعر زندگی اور اس کے لوازمات کا تعلیم سے مربوط حوالہ نمایاں تر کرتا ہے جو ان کی پیش کردہ اقدار تعلیم میں سرفہرست ہے:

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی، نہ محبت ، نہ معرفت، نہ نگاہ

علامہ تعلیمی مراحل میں دین سے روشنی لینے کا عمل بہر طور و بہر حال جاری رکھنا چاہتے تھے۔ دورہ افغانستان پر روانگی سے قبل فرمایا:

''شخصی طور پر میں یقین رکھتا ہوں کہ تعلیم کو مکمل طور پر لا دینی بنا دینے سے کہیں بھی اور خصوصاً مسلم ممالک میں اچھے نتائج برآمد نہیں ہوئے۔''(۱۱)

یہی اظہار جامہ اشعار میں یوں ڈھالا:

خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
کیا خبر تھی کہ آئے گا الحاد بھی ساتھ

نظام تعلیم کی دین سے لاتعلقی کے اسی دکھ بیان ان کے لفظوں میں درد و سوز کے نئے منظر گہرے احساس اور تاثیر کی رفاقت میں سامنے آیا:

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لاالہ الا اللہ

علامہ اقبال علوم کو ''خودی'' کی تعمیر کا ذریعہ قرار دیتے ہیں:

اگر خودی کی حفاظت کریں تو عین حیات
نہ کر سکیں تو سراپا فسون و افسانہ

فقط معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے حصول تعلیم علامہ کے نزدیک کفر اور ناجائز ہے:

وہ علم نہیں، زہر ہے افراد کے حق میں
جس علم کا حاصل ہے جہاں میں دو کف جو

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ حکیم الامت کی تعلیمی اقدار، نظام اور نصاب تعلیم کی دین سے وابستگی، تعمیر خودی بذریعہ حصول تعلیم، تعلیم کا زندگی سے ربط اور معاشی ضروریات کی بجائے اخلاق و کردار کی فلاح و اصلاح کا ذریعہ علم کو بنانے پر مشتمل ہے۔

جب ان مختلف حوالوں سے ہم علامہ کے نظام اقدار کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ علامہ اقبالؒ اقدار کو چاہے وہ مذہبی ہوں یا سیاسی، معاشی ہوں یا معاشرتی، اخلاقی ہوں یا تعلیمی، کردار کی تعمیر و تہذیب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ تعمیر کردار ہی ان کے پورے نظام اقدار کی اساس تخلیق ہے اور یہی شرف انسانیت ہے۔ اسی خاطر وہ اپنا معروف تصور خودی پیش کرتے ہیں۔ دراصل خودی کے تصور کی تفہیم ہی علامہ کے اقداری فلسفہ کو صحیح معنوں میں سمجھنے میں مدد دے سکتی ہے:

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لاالہ الا اللہ

علامہ کا تصور خودی بالخصوص جن اقدار کو بنیادی اہمیت کا اعتبار عطا کرتا ہے۔ ان کی تقسیم پروفیسر منور ابن صادق نے بیان کی ہے۔(۱۲)

ا۔ علامہ اقبال انسان کو اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ کائنات میں اللہ کا نائب اور آزاد شخصیت کا حامل قرار دیتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں کہ وہ خود کو پہچانے اور اشرف المخلوقات کی مسند پر بیٹھنے کا حق وار ثابت کرے:

ے تو راز کن فکاں ہے اپنی آنکھوں پر عیاں ہو جا
خودی کا راز داں ہو جا، خدا کا ترجماں ہو جا

ے تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائے

ے خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ے خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
نظام رنگ و بو کا راز پا جا

ے جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الا میں پیدا

یہ قدر گویا اسلام کے اس اصول کی تشریح میں مرتب ہوئی کہ:

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔"

۲۔ علامہ اقبالؒ انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو برسرِ عمل دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کو نظام نو کی تشکیل کے لیے ہر لحظہ مصروف عمل رہنا چاہیے:

دم بدم مشکل گر و آساں گذار
دم بہ دم نو آفرین و تازہ کار

۳۔ دانائے راز کا فلسفہ حیات سعی پیہم اور جہد مسلسل سے عبارت ہے۔ وہ انسانی زندگی کو مسلسل محنتوں سے تشکیل پاتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں:

؎ اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سر آدم ہے ضمیر کن فکاں ہے زندگی

؎ گریز کشمکش زندگی سے مردوں کی
اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست

؎ تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

علامہ اقبال انسان کو کائنات کے مختلف عناصر کو تسخیر کرنے کی تلقین کرتے ہیں کہ یہی راز حیات ہے:

؎ یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل پر گامزن محبوب فطرت ہے

؎ ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

۴۔ علامہ کا نظریہ یہ ہے کہ انسان کو حق بات کے لیے مردانہ وار جان لڑا دینی چاہیے کہ شہادت کی موت عین حیات ہے۔

حکیم الامت کا حق بات کہنے کا یہ فلسفہ زیست درحقیقت حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد پاک کی ترویج و

اشاعت کا عملی نمونہ ہے کہ "جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا افضل جہاد ہے۔"

۵۔ اقبالؒ خدائے بزرگ و برتر کی مکمل اطاعت کو ہی ایک مردِ مومن کی بنیادی خصوصیت قرار دیتے ہیں:

ے از پیام مصطفیٰ آگاہ شو
فارغ از ارباب دون اللہ شو
پر کہ حرف لاالہ از برکند
عالمے را گم بہ خویش اندر کند

ے بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

۶۔ علامہ کہتے ہیں کہ انسان کو ہمیشہ اپنا محاسبہ کر کے مسلسل اصلاح ذات کی کوشش کرتے رہنا چاہیے اور جونہی نفس حدودِ الٰہی سے نکلنے کی کوشش کرے تو اس پر چیتے کی طرح جھپٹ پڑے:

مرد مومن زندہ و باخود بجنگ
برخود افتد ہم چو بر آہو پلنگ

۷۔ آزادی و حرمت تمام اعمالِ خیر کی بنیاد ہے اور اس جذبے کے بغیر اعلیٰ سیرت و کردار کی تشکیل ناممکن ہے:

مرد درویش کا سرمایہ ہے آزادی
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصاب زر و سیم

۸۔ علامہ کی رائے میں بے خوفی اور صاف گوئی اعلیٰ کردار کا خاصہ ہے:

آئین جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۹۔ اقبالؒ عالمگیر انسانی معاشرے کی تشکیل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے رنگ، نسل یا علاقہ کی بنا پر کسی تعصب کو ناروا گردانتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ شرف انسانیت کے قائل ہیں:

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی

۱۰۔ درویشی یعنی بے نیازی پر مبنی فقیری کو علامہ اقبال تحفظ خودی اور تعمیر کردار کا موثر ترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔ وہ

زندگی سے بیزاری اور لاتعلقی کا درس نہیں دیتے بلکہ بڑی شد و مد کے ساتھ زندگی کو بھرپور انداز میں بسر کرنے کا سبق دیتے ہیں اور تسخیر کائنات کو فقر کا کمال قرار دیتے ہیں:

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری

جہانگیری کو جہاں آرائی کے مترادفات میں شامل کر دینے والی قوم اقبالؒ کے فکری سفر کی منزل رہی ہے۔انھوں نے ہمیشہ اپنی ملت کے جوانوں کو اسلاف کے عظیم ورثے کا اہل بنانے کی سعی مشکور کی ہے اور ان کا نظام اقدار ان کی اسی فکر حسین کی بنیاد پر استوار ہوا ہے۔دراصل اقبال کا اقداری نظام زندگی کے ہر اہم شعبے کا احاطہ کرتے ہوئے روشنی اسلام کی عالمگیر و عالم آرا تعلیمات سے اخذ کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ عبداللہ العمادی نے اقبالؒ کے فلسفہ وفکر کو اسلام سے ہم آہنگ قرار دیتے ہوئے کہا تھا:

تجھ پہ اے پنجاب نازل ہوں خدا کی رحمتیں
اے کہ تو اقبالؒ کی دولت سے مالا مال ہے
ہم نے مانا تو نہیں مسحور تہذیب فرنگ
تجھ میں سب کچھ ہے اگر اسلام اور اقبالؒ ہے

اقبال کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ انھوں نے اپنی شعریات کے ذریعے ملت اسلامیہ کو اعلیٰ قدروں سے روشناس کرانے کی سعی جمیل کی۔ان کی اقدار کا بنیادی مآخذ قرآن اور تعلیمات محمدؐ یہ ہیں۔انھوں نے تاریخ اسلام کے روشن گوشوں تک رسائی حاصل کر کے اپنا نظام اقدار کو سنوارا۔یہ واحد شاعر ہیں جو لسانی تشکیلات سے لے کر فکر و خیال تک اپنی دنیا خود پیدا کرتے ہیں اور یہی ان کی عظمت ہے۔

☆☆☆☆

مآخذ

1۔ امیر اللغات

2۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹینکا، جلد22، صفحہ 963

3۔ محمد حفیظ الرحمن، مولانا، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، (کراچی: مکتبہ اسلامیہ، ص2)1980

4۔ باقر حسین، ڈاکٹر، اقبال کا نظام فکر، مشمولہ مضمون، نوائے وقت ملتان، ادبی ایڈیشن، 24 جنوری1986

5۔ سورۃ الحجرۃ(85)

6۔ سورۃ التین (04)

7۔ سورۃ البقرۃ (148)

8۔ الفاتحہ (1)

9۔ علامہ اقبال، الاقتصاد، ناشر نامعلوم، سن ندارد، ص3

10۔ بحوالہ، مضمون: مشمولہ مضمون، منور بلوچ روزنامہ جنگ ملتان، ادبی ایڈیشن، 8 جولائی 1991

11۔ بحوالہ ایضاً

12۔ بحوالہ ایضاً